سمیرا حمید

سمیرا حمید

پشمینہ پوش (صوفی) نے پگڈنڈی پر چلتے یکدم اپنی رفتار تیز کی اور اپنا رخ دائیں طرف کی تنگ پگڈنڈی کو کیا۔ یہ اشارہ بھی تھا' ساتھ لیکن کبھی دو قدم پیچھے رہ جانے والے صومعہ نشین (تارک الدنیا) کے لیے کہ جلدی سے اپنا رخ اس بائیں طرف کی پگڈنڈی سے پھیر لو.... پشمینہ پوش نے یہ کوشش بھی کی کہ صومعہ نشین کی نظر اس گاؤں کی طرف نہ اٹھے.... جسے سماج "پنڈہاساں" کے نام سے جانتا تھا.... اور ان کی جماعتوں میں وہ کسی اور ہی نام سے جانے جاتا تھا۔

مشیت ایزدی سے دھتکار دیا گیا.... آخر کار دھتکار دیا گیا.... "پنڈہاساں"

"یہ راستہ ہمیں لمبا پڑے گا.... ذرا دور نظر آتے اس گاؤں کی قریبی مسجد میں قیام کر لینا چاہیے.... رات بھی ہو چکی ہے۔"

"ہاں! رستہ لمبا پڑے گا.... رات ہو چکی ہے.... ذرا دور نظر آتے اس گاؤں میں قیام ممکن نہیں.... ہمیں آگے چلنا چاہیے۔"

"دور دور تک کوئی گاؤں نظر نہیں آتا سوائے اس بائیں ہاتھ والے گاؤں کے۔"

"اگر وہ قریبی ہوتا تو دائیں رخ ہوتا.... جلدی چلو کہ یہاں سے دور ہو جائیں۔"

"کیا ہم اس گاؤں میں قیام نہیں کر سکتے....؟"

"ایک ساعت کے لیے بھی نہیں.... یہ حضرت انسانوں کی گرہستی ہے' یہاں قیام تو دور کی بات گزر کی بھی اجازت نہیں ہے۔"

صومعہ نشین کو یہ سن کر بے چینی سی ہوئی' اسے چراغوں کی روشنی لیے' چراغاں چراغاں ہوئے گاؤں کی قسمت پر افسوس ہوا۔ اس سے پہلے انہوں نے چھوٹے بڑے ہر گاؤں' چک میں قیام کیا تھا۔ انہوں نے ایک ایک نماز ان قیاموں میں ادا کی تھی اور گاؤں والوں کو دعائیں دیتے رخصت ہوئے تھے۔ تو کیا ہاساں کو آباد رکھنے والوں کے لیے پشمینہ پوش کوئی دعا نہ رکھتا تھا.... ایسا بھی کیا ہوا کہ اس بزرگ محترم ہستی نے اس کا رخ کرنے کے بجائے اسے اپنی پشت دکھائی۔

"دنیا دنیاداروں کا دانہ ہے اور دنیا دار ہی اسے **چگتے** ہیں.... ولی اسے جلا کر پھلانگ جاتے ہیں۔ وہ اس دانے تلے بچھے جال میں نہیں آتے۔"

☼ ☼ ☼

یہ حضرت انسانوں کی گرہستی ہے.... پنڈہاساں

....

اس گاؤں میں صرف ایک ہی گھر ایسا ہے جسے لکڑی کا بڑا پھاٹک بند کرنے کی ضرورت نہیں.... اس گھر میں کوئی بھی آ جا سکتا ہے.... دن کے کسی پہر.... رات کے کسی پہر.... وقت تہجد.... وقت سحر.... دن چڑھے.... دن ڈھلے....

یہ ایک آستانہ گھر ہے.... کسی بھی وقت آؤ.... ضرورت پوری کر جاؤ.... پھر آؤ.... پھر اپنے برتن بھر جاؤ

....

ابھی بھی سیری نہیں ہوئی.... پھر آؤ.... پھر آؤ.... آتے جاؤ.... جب تک سیری نہ ہو جائے.... سیری ہو جائے تب بھی آتے جاؤ....

سرمئی شلوار پر اپنے مرحوم باپ کا میلا سفید شلوکا پہنے اور سر پر باپ کے ہی چار خانوں کے پرنے کی پگڑی جمائے صدری اپنے کتے کے ساتھ گلی گلی گھومتا ہے ۔۔۔ اس کے ہاتھ میں غلیل ہوتی ہے اور وہ جہان بھر کی چڑیوں، کوؤں کے نشانے لیتا پھرتا ہے۔۔۔ نہیں ۔۔۔ وہ انہیں مارتا نہیں ہے ۔۔۔ وہ اتنا زبردست نشانچی بن چکا ہے کہ اس کی غلیل سے نکلا باریک سا پتھر کسی چڑیا کے پر کو چھو کر بھی نہیں گزرتا۔۔۔ اسے اچھا لگتا ہے، جب

پھر کے قریب سے انتہائی قریب سے گزرنے پر پرندے پھر سے اڑ جاتے ہیں۔

بس یہی اس کا مشغلہ ہے انہیں پھر پھر اڑانا..... وہ ضارب (ضرب لگانے والا) والا نہیں تھا... قطعاً" نہیں.... ایسا سوچنا بھی گناہ تھا.... گاؤں کے لوگ اس کے باپ کو ولی کہہ دیا کرتے تھے اور اگر تھوڑی دیر کو محکم الدین کو ولی مان ہی لیا جائے تو صدری کو ضارب کیونکر مانا جائے....

ایک بار اسے گمان ہوا کہ اس کی غلیل سے نکلے باریک پتھر نے ننھی منی چوں چوں کرتی چڑیا کے سر کو چھوا..... اسے یہ گمان یوں ہوا کہ پھر اڑنے سے پہلے چوں.... ہوں میں بدلی.... "ہوں.... آہ سی...."

اس نے غلیل کو شلوکے میں ڈھونسا اور ایک ایک چڑیا کے پیچھے بھاگا..... وہ ایک درخت کے نیچے جاجا سانس روک کھڑا ہوا..... دم سادھے چڑیوں کی چوں چوں سنتا رہا کہ کس چڑیا کی چوں میں ہوں گھلی ہے .....؟

دن ڈھلا.... رات آئی.... سحر چھائی.... صدری درختوں کے نیچے اس ہوں کے انتظار میں رہا.... گاؤں کے چند لوگ اسے گھر چلنے کا کہنے کے لیے آئے لیکن اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا کہہ کر چلتا کیا....

پھر صبح سویرے، جب چڑیاں دن کی آمد پر رات کے اختتام پر خوشی سے پھر پھر جھومنے کی تیاری کرنے لگتی ہیں اور آکاش کے گلے مل مل جانا چاہتی ہیں۔ اس وقت صدری نے ایک ایک درخت کے نیچے جاجا جہاں چڑیوں کے جھنڈ بیٹھے تھے، غلیل میں پتھر رکھ رکھ اپنے پیروں پر مارے.... کہ لو اے پیاری چڑیا جسے میں نے تکلیف دی میں ہرجانہ دیتا ہوں.... تم مجھے معاف کر دو۔

پیاری چڑیا نے اسے معاف کر دیا.... وہ سب صدری کے سر کے اوپر پھر پھرانے لگیں۔ اسی لیے سب اسے عقل سے پیدل کہتے تھے.... کیسا پیارا عقل سے پیدل تھا وہ.... کتنے عقل والوں کی عقل سے من موہنا تھا وہ.... گاؤں کی گلیاں پیدل گھومنے والا.... کبھی اس منڈیر.... کبھی اس منڈیر بیٹھا رہنے والا.... گاؤں کے چھپر میں پیر ڈبو کر اونچی آواز میں محکم الدین سے سیکھا کلام فرید پڑھنے والا۔

وہ گاؤں کے پرندوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور سر اٹھا کر انہیں تکا کرتا ہے.... اس کے علاوہ اسے ایک اور چیز سے مطلب ہے کہ اس کا کتا دم ہلاتا رہے اور اس کے تلوے چاٹتا رہے.... وہ کتا جو ایک دن اچانک ہی اس کے ساتھ ہو لیا تھا' جانے وہ کہاں سے آیا تھا' چند دن صدری کے ساتھ رہ کر وہ "صدری کا کتا" کی شناخت سے پہچانا جانے لگا۔ ساتھ کے گاؤں کا چوہدری اس کتے پر فدا تھا۔ اس نسلی بھیڑیئے نما کتے کو صدری کے ساتھ دیکھ لیا تھا اور اب اسے وہ کتا چاہیے تھا۔

اس کا کارندہ آیا۔ کتے کے گلے میں پٹا ڈال کر لے جانے' صدری سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صدری سوال جواب کے دائرے سے باہر کی مخلوق تھا۔ اس کے کتے کے گلے میں پٹا ڈالا جا رہا تھا اور وہ سر اٹھائے پرندوں کو دیکھ رہا تھا' کتے نے بھونک بھونک کر گاؤں اکٹھا کر لیا.... کارندے اسے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک ہی رات میں چوہدری کا اس سے دل بھر گیا.... اور کتا صبح دم صدری کے ساتھ تھا پھر سے.... سنا تھا کہ چوہدری کے باڑے میں وہ تباہی مچی تھی کہ باڑے کے تین ملازم شہر ہسپتال لے جانے پڑے تھے چوہدری نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھر کے گودام میں چھپ کر جان بچائی تھی۔

صدری نے کبھی کتے کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا کہ "یہ میرا ہے۔" جو شلوار' شلوکا' پگڑی اس کے تن پر تھی' وہ اس کے باپ کی تھی' جو غلیل اس کے ہاتھ میں تھی وہ مجید ترکھان کی تھی جو آج سے کئی سال پیشتر اسے مجید ترکھان نے بنا کر دی تھی۔ اس کے پاس کچھ نہ تھا' اسے سب دیا گیا تھا۔

سارا دن کھیتوں، کھلیانوں، میدانوں، ٹیلوں، گلیوں میں پھرتا پھراتا رہتا، بھوک پیاس لگتی تو گاؤں کے کسی بھی گھر کا دروازہ بجا کر کھڑا ہو جاتا اور اسے روٹی دے دی جاتی... بلکہ یہ نوبت کم ہی آتی۔ اسے روک کر روٹی کھلا دی جاتی...

گاؤں والے بہت اچھے ہیں... وہ بھی بہت اچھا ہے اور اس اچھے کی اچھی شیاما گائے کو دن بھر کوئی نہ کوئی چراتا پھرتا... اسے خبر نہیں ہوتی تھی کون۔ بس گائے کا پیٹ بھرا ہوتا... اسے چھپر میں نہلایا ہوتا... شام کو اس کے کھلے پھاٹک کے گھر میں اسے کھونٹے سے باندھا ہوتا... اس کا دودھ دوہا ہوتا۔

ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا تھا... محکم الدین کی زندگی میں بھی... اس کی موت کے بعد بھی شیاما گائے محکم الدین کے گھر تھی لیکن وہ گاؤں والوں کی تھی۔ ان ہی کا پیٹ بھرتی تھی۔

اس گائے کے بارے مشہور تھا کہ اس نے محکم الدین کی بزرگی پر مہر ثبت کی تھی... محکم الدین ایک سائیں ملوک بندہ تھا۔ صدری کے بعد بیوی مرگئی تو اللہ سے لو لگالی، کہتے ہیں اس نے مردہ وجود کے سرہانے زندہ وجود کو پڑے دیکھا تو دیوانہ سا ہو گیا۔ بند آنکھوں کے پہلو میں زندہ آنکھیں، اور زندہ کے پہلو میں مردہ ہو چکی آنکھوں کو دیکھ کر اس کی جون بدل گئی۔ اس نے اپنے گھر کا سامان تقسیم کر ڈالا... اور شہر جا کر مزدوری کرنے کے بجائے بان بٹنا شروع کر دیا... وہ صرف اتنا ہی کام کرتا جس سے دو لوگ دو وقت کی روٹی کھا سکیں۔

ان کے گھر میں گاؤں والوں کا آنا جانا بہت کم تھا۔ ایک تو ان کے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی دوسرا محکم الدین سننے میں فیاض تھا لیکن بولنے میں نہیں... بان بٹوانے جو لوگ آتے کھڑے کھڑے اپنا مدعا بیان کرتے اور چلے جاتے۔ ایسے شخص کے پاس آخر کوئی کیوں بیٹھے جو دنیاداری کی کوئی بات نہیں کرتا اور بات کرو بھی تو جواب نہیں دیتا... وہ اسے بان پر بان دیتے جاتے اور اجرت دینا بھول جاتے... آخر ایسے سائیں ملوک بندے کو اجرت کی ضرورت ہی کیا تھی جس کے گھر میں کھانے کے چند برتن تھے اور جو پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا۔ ایک رات ان کے ادھ کھلے پھاٹک سے ایک گائے اندر آئی اور احاطے میں ڈکارنے لگی۔ وہ ڈھور ڈنگروں کے شوقینوں کے دل کی حسرت اور ان کی آنکھوں کا تارا شیاما گائے تھی۔

"شیاما اور اس جیسے سائیں ملوک کے گھر میں جو مٹی کے پیالے میں پانی پیتا ہے اور ایک وقت کی روٹی پیاز یا مرچ سے کھاتا ہے..."

صبح ہوتے ہوتے مانو جیسے سارا گاؤں محکم الدین کے احاطے میں میلہ لگا کر اکٹھا ہو گیا کہ جیسے کہتا ہو...

ایسی چالاکی بابے دین... فقیری چولا اوڑھنا اور بادشاہی عیاشی کرنا... ایسی چالاکی... چھپے رستم..."

بابے دین نے جیسے ہاتھ جوڑ جوڑ سب کو بتایا کہ "جانے کس کی ہے، آدھی رات کو اندر آکر ڈکارنے لگی... جس کی ہوگی آکر لے جائے گا..."

ایسے کیسے آگئی... ہاں بابے دین کا پھاٹک جو کھلا رہتا تھا... وہ پھاٹک بند ہی کیوں رکھے... جو گھر کے اندر تھا اسے بھی گھر سے باہر کرنے میں اسے تامل نہ تھا۔

گاؤں والوں نے جیسے اپنے سینے مسلے... ہائے ان کے گھروں کے پھاٹک کیوں نہ کھلے رہے... کوئی الہام ہی ہو جاتا، کوئی خواب ہی آجاتا، کوئی پیر فقیر انہیں اشارہ دے جاتا... اب اگر اس کا مالک نہ لینے آیا اسے تو... تو... تو یہ بابے دین کی ہی ہوئی نا... کاش رات کوئی چور ہی آجاتا کہ گھر کا کواڑ تو کھل جاتا...

گاؤں والوں کی آنکھیں، منہ پانی سے تربتر تھے۔ لڑکے بالے، سیانے بیانے سبھی شیاما گائے کے گرد گھوم گھوم اسے نظر لگا رہے تھے اس کی نظر اتار رہے تھے... کیا قد کاٹھ تھا... کیا ڈیل ڈول تھا... ایسے کہ گاؤں کی ملکہ مہارانی کھڑی ہو... اور ایسی کہ ابھی تاج پوشی کروا کر آئی ہو... بابے دین کے مزے... بیٹھے بٹھائے مہارانی صاحبہ مل گئیں... تف اور سوؤ کواڑ

بند کر کے... گاؤں بھر میں جیسے انگارے بجھ گئے... گاؤں والوں کا چین قرار گیا... آخر اس کا مالک آ کیوں نہیں جاتا... اور ایسی گائے کا مالک کیا ایسا ہی لاپروا تھا کہ گائے کھونٹا کھول کر بابے دین کے کھونٹے سے آ لگی...

اب سب کی آنکھیں راہ راہ ہوئیں کہ دیکھیں کب آس پاس کے گاؤں، چکوں سے گائے کے مالکان آتے ہیں۔ لیکن وہ تو آتے ہی نظر نہ آتے...

جب تک گائے بابے دین کے احاطے میں تھی اور اس کا مالک نہیں آ جاتا تھا، عورتوں نے اپنے اپنے برتن دودھ سے بھر لیے اور جب انگلی ڈبو ڈبو، وہ دودھ کو زبان سے لگاتیں تو جیسے اپنی چیخ دباتیں۔

"بتاؤ ذرا اس دودھ میں کیا گھلا ہے... غضب خدا کا کیا یہ زعفران کھاتی رہی ہے... یا مشک نافہ اس کے منہ میں انڈیلی جاتی رہی ہے... اور کیا یہی مثل شراب طہور ہے جسے بہشت میں نوش فرمانا نصیب ہو گا... دودھ ہے کہ دودھ کے نام پر کچھ اور...؟

گاؤں کی قابل تکریم اور سیانی عورت سارا دودھ دوہتی اور پھر حصے سے تقسیم کر دیتی کہ کوئی لڑائی نہ ہو۔ دو گلاس دودھ بابے دین اور صدری کے لیے رکھ چھوڑے پر جب بابے نے اپنا گلاس بلیوں کو پلا ڈالا تو سیانی نے ایک گلاس دودھ شام کو رکھا جس کی بوند بوند پر گاؤں والے مر رہے تھے۔ بابا اسے بلیوں کو پلا رہا تھا عورتوں نے اس دودھ کو گھونٹ گھونٹ بڑی عقیدت سے پیا جیسے وہ آب زمزم ہو... ایک گھر میں لڑکی کی شادی ہونی تھی جمعے کو تو اس کی ماں نے سارا دودھ اس کے لیے رکھ چھوڑا۔

ایک نے ساتھ کے گاؤں اپنے میکے بھی بھجوایا، یہ پیغام دے کر کہ گھونٹ گھونٹ سب پی کر مجھے بتانا کہ کیا کبھی ایسا دودھ پیا ہے...؟

پیغام کا جواب آیا کہ نہیں... اور سوال آیا کہ "اور ملے گا...؟"

اگلے دن کی رات بھی آن پہنچی تو جیسے سب نے شکر کا سجدہ ادا کیا کہ گائے کا مالک نہیں آیا... البتہ خواتین رات کو اٹھ اٹھ کر لالٹین لے کر گھروں کی چھتوں پر کھڑی ہو کر گاؤں کی اور آنے والی پگڈنڈیوں کو گھورتی رہیں کہ کہیں کم بخت مارے مالکان آدھی رات کو ہی نہ آ دھمکیں اور وہ ایسی دلاری گائے کو جاتا ہوا نہ دیکھ سکیں "گائے یہیں رہ جائے" یہ دعائیں کی گئیں۔ گائے کے مالکان مر مرا جائیں، یہ بددعائیں کی گئیں۔

فی الحال گائے وہیں رہ گئی... فی الحال گائے کے مالکان مر مرا گئے ہوئے ہی لگتے...

گھر گھر میں شیاما زیر موضوع تھی۔

اور گاؤں والے... سب ہی، عورتیں بچے، مرد بوڑھے، سیانے، انجانے، مستانے، اتنے محتاط تھے کہ انہوں نے گاؤں کا ذکر گاؤں سے باہر جانے ہی نہیں دیا کہ مبادا اڑتی اڑتی خبر گائے کے مالک تک جا پہنچے۔

کسی کے گھر کوئی مہمان آتا تو اس سے بھی ذکر نہ کرتا، کوئی مہمان بن کر جاتا تو بھی نہیں اور تو اور گاؤں میں بیاہی آئی بہوؤں نے اپنے میکے والوں کو بھنک بھی نہ پڑنے دی... اور دوسرے گاؤں میں بیاہ دی گئی بیٹیوں کو بھی...

گاؤں کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ سب میں ایسا اتفاق تھا کہ بنا کہے، بنا کسی پنچائیت کے فیصلے کو سنے سب کو یہ معلوم تھا کہ گائے کو لے کر انہیں کیا کیا احتیاطی تدابیر کرنی ہیں... اور انہوں نے کیں بھی... جیسا کہ بابے محکم الدین نے سب سے کہا کہ آس پاس کے گاؤں، چکوں میں منادی کروا دی جائے کہ ایسے ایسے ایک گائے اس کے گھر آ گئی ہے۔ جس کی ہے آ کر لے جائے اور انہوں نے منادی نہ کروائی... اب گاؤں کے سیانے بیانے پاگل تھوڑا ہی تھے، بابے دین کی طرح کہ جاتے یہ منادی کروانے کہ آ کر اپنی گائے لے جاؤ... عورتوں نے تو مردوں کو اپنی قسمیں دی تھیں کہ خبردار جو منادی کروانے ادھر ادھر گئے... اور مردوں نے ان قسموں کی لاج رکھی۔

کئی دن گزر گئے۔ کوئی آیا نہ گیا۔۔۔ ایک دن محکم الدین خود ہی گیا' اسے کچھ شک سا تھا بھلا مانس سا تھا شک بھی گناہ سمجھ کر کرتا تھا' اس لیے کر ہی نہ سکا اور چل پڑا۔۔۔ گاؤں نے اپنے سینے پیٹے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ سالوں بعد محکم الدین اپنے حجرے سے کیوں نکلا ہے۔ بہرحال انہوں نے گائے چھپادی کہ اگر محکم الدین مالک لے بھی آیا تو کہہ دیں ہمیں کیا پتا گائے کیسے کھونٹا تڑوا کر نکل گئی جیسے آئی تھی ویسے چلی گئی۔ پر یہ کہنے کی نوبت نہ آئی محکم الدین رات کے پہلے پہر مایوس سا واپس آیا۔۔۔ مسجدوں میں اعلان کروا آیا تھا۔۔۔ گاؤں کے سیانوں کو بتا آیا تھا۔۔۔ لیکن کسی کو گائے کے ذکر میں دلچسپی نہیں تھی۔۔۔

خدا جانے گائے کے ساتھ کیا بنی تھی' وہ کس کی تھی' کہاں کی تھی' یہاں کیوں آگئی تھی۔

اگلے کئی دن بھی بابا دین ایسے ہی جاتا رہا اور مایوس واپس آتا رہا تو گاؤں والوں نے جوق در جوق اس کے پاس آنا شروع کردیا کہ۔

"یہ گائے اللہ کا انعام ہے۔۔۔ اس کی نیکی و پرہیزی گاری کی مہر۔۔۔ اس کا کوئی مالک نہیں۔۔۔ اس کا مالک اللہ ہے۔۔۔ اور اس کے مالک اب وہ اور گاؤں والے ہیں۔"

بابا دین خاموشی سے سنتا رہتا' اگلے دن پھر نکل جاتا گھر سے۔۔۔ اور پھر دن ڈھلے اسے ڈھلکے سر کے ساتھ آتا دیکھ کر سب کے سینوں میں ٹھنڈی سانسیں بھر جاتیں۔

"تو مان کیوں نہیں لیتا کہ یہ تیری عبادتوں کا ثمر ہے۔" گاؤں کے سفید شملے والے سیانوں نے کہا۔

"عبادت کی ہی نہیں تو ثمر کیسا۔۔۔ مجھے تو یہ کوئی آزمائش لگتی ہے۔"

"تجھ پر کیوں آئے گی آزمائش۔۔۔؟"

"کسی کے لیے تو آزمائش آئی ہے پھر۔۔۔ ایسے انعامات جب ایسے نازل ہوتے ہیں تو بڑے بھاری ہوتے ہیں۔۔۔ یاد کرو' بنی اسرائیل والوں کے سر من و سلویٰ کے ساتھ کیسی ذمہ داری آن پڑی تھی۔۔۔ روگردانی کی گنجائش نہیں رہتی پھر۔۔۔"

"تو کہاں نبیوں تک جا پہنچا۔۔۔ یہ گائے ضرور ہے پر تو نبی نہیں ہے۔"

"پر ہم سب تو آلِ نبی ہو نا۔۔۔ انسان ہیں ہم۔۔۔ نجانے کہاں چوک جائیں۔۔۔"

"تو تو صدری کی طرح پاگل بھی ہے محکم الدین۔"

"ہاں' میں پاگل ہوں لیکن صدری نہیں۔۔۔ وہ آسمان کو تکا کرتا ہے۔۔۔ وہ پاگل نہیں ہے۔۔۔ اسے میری طرح عبادت کرنے کے لیے صف پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کے وضو نہیں ٹوٹا کرتے۔۔۔"

گاؤں بھر میں مشہور ہو گیا کہ شیاما گائے بابے پر خدائی انعام بن کر نازل ہوئی ہے۔۔۔ ایسا انعام جس کے دودھ کی اسے پرواہ تھی نا اس کی کھال کی۔۔۔ وہ اس کے

گھر کے احاطے میں بندھی تھی، بھلے سے کسی کے بھی احاطے میں بندھ جاتی اُسے تنکا برابر پرواہ نہیں تھی.... بابے نے بڑا چارہ کیا کہ گائے کا مالک مل جائے لیکن مالک نہ ملا.... گائے کی مشہوری کی بھنک پڑا یویں کوئی اسے دیکھنے آجاتا تو گاؤں والے اسے چیل کوے بن کر نوچنے کے قریب ہو جاتے.... بچے ایسے ملنے آنے والوں کو "وٹے" مار مار بھاگتے.... انہیں ایسا کرنے کے لیے ان کے بڑے کہتے....

"ہماری ہے وہ گائے.... ہماری شیاما.... بھاگو یہاں سے۔" وٹے مارتے وہ چلاتے جاتے۔

گاؤں بھر تو پہلے ہی اس کا دودھ پیتا تھا جب کئی مہینوں بعد بھی اس کا مالک نہ آیا تو بابے دین نے اعلان کیا۔

"یہ سب کی گائے ہے اس پر سب کا حق ہے.... اور میں اس کے حق سے دست بردار ہوتا ہوں.... روز قیامت اس کو لے کر مجھ پر کوئی سوال نہ اٹھائے.... میں اس گائے کی آمد کی حکمت سے انجان ہوں، اگر یہ میرا پول کھولنے آئی ہے تو اللہ میرے عیبوں پر پردے ڈالے اور اگر یہ تمہیں سیر کرنے آئی ہے تو یاد رکھنا انسان کا پیٹ کبھی نہیں بھرا۔ یہ بھی نہیں بھر سکے گی۔ اس لیے اللہ کو یاد کرتے رہنا کہیں بھٹک نہ جانا۔"

گاؤں والے آتے اور اپنی مرضی سے دودھ لے جاتے.... گاؤں کے گھر گھر کئی کئی گائیں تھیں، بھینسیں تھیں، لیکن شیاما تو نہیں تھی نا.... اس ساز عفران ملا، گلابی پنکھڑیوں کی ملاحت لیے مشک مشک دودھ دینے والی.... جس برتن میں اس کا دودھ ڈالو مانو اس برتن کو چاٹ چاٹ کھاؤ۔ اور نہیں تو ناک کے قریب رکھ کر سونگھتے سونگھتے سو جاؤ.... لڑکیاں بالیاں اپنے منگیتروں کو اسی دودھ کی کھیر بنا بنا بھیجتیں.... ماؤں کے لاڈلے شیر جوان یہ دودھ پیتے لڑکیوں سے اس معاملے میں بھی درج برتی جاتی.... سب کا مشترکہ ماننا تھا کہ جو مکھن، گھی، لسی، کھیر، دہی اس دودھ سے بنتا ہے وہ کسی اور دودھ سے نہیں بنتا.... جو سرور اس دودھ کو پی کر ملتا ہے وہ عام گائے کے دودھ کے مقابلے میں کئی ہزار گنا ہے.... اس دودھ میں انگلی ڈبو کر گالوں پر رگڑو اور دو ہی دن میں گال کشمیری انار سے سرخ ہو جائیں۔ غرض گاؤں والوں کو تو ہزار ہا فوائد از بر تھے.... بچہ بچہ عقیدت و احترام سے "شیاما" کا ذکر کرتا کہ ان کے پیٹ کے دردوں میں اسی کا دودھ کام آتا ہے اور پینے کو بھی مل جاتا ہے بہانے سے....

☼ ☼ ☼

بابے کے گھر کا پھاٹک کھلا رہتا، پہلے بھی کھلا ہی رہتا تھا اب اعلانیہ کھلا رہنے لگا۔ دن رات گائے کے دودھ کے لیے آیا جاتا، وہ ایسی فرماں بردار گائے تھی کہ دو بوند ہی دودھ دیتی لیکن بے وقت آنے والوں کے برتن کبھی خالی نہ بھیجتی۔

جو کھیر پکاتا، مکھن نکالتا، دہی جماتا، بابے اور صدری کے لیے رکھ جاتا۔ بابا تو دن میں ایک وقت کا کھانا کھاتا تھا، وہ بھی روٹی اور پیاز.... صدری البتہ شوق سے سب کھاتا.... وہ بھی سامنے آجاتا تو ورنہ منہ سے کبھی نہ کہتا کہ کھیر کھانی ہے، مکھن چاہیے.... کسی کو جی چاہتا ہے۔

گوبر لے جانے والیاں گوبر لے جاتیں، احاطے میں جھاڑو لگا جاتیں، احاطے کے پیچھے ایک ہی کمرہ تھا اُسے بھی صاف کر جاتیں۔ بابا لاکھ منع کرتا لیکن وہ کرتی جاتیں، کپڑے دھو کر سمیٹ کر بھی رکھ جاتیں۔

لڑکے بالے اِدھر اُدھر والے گائے کو کھونٹے سے کھول کر چرانے لے جاتے، نہلاتے بھی اس کے ساتھ ساتھ رہتے کہ کہیں گائے جیسے آئی تھی ویسے ہی نہ چلی جائے، سب اس کی اچھی رکھوالی کرتے، اس پر واری صدقے ہوتے....

گاؤں کا اکلوتا تیلی پھیکو کھوکھلا بانس اس کے منہ میں ڈال کر اس کے اندر سرسوں کی کھلی انڈیلتا.... جو کھلی لڑکیوں کو منہ دھونے کے لیے نصیب نہ تھی، وہ شیاما کو منہ کے اندر کرنا نصیب تھی۔

"نہ ہمیں دودھ ملتا ہے نہ کھلی۔" وہ رونے روتیں

....

گاؤں کا بڑا گوالا رحمت چپکے سے رات کو بابے کے پاس آیا اور گائے کو خریدنے کی بات کی.... محکم الدین ہنسنے لگا۔

"جو چیز تمہاری ہے اسی کو خرید رہے ہو.... وہ رہی گائے اسے کھولو اور لے جاؤ۔"

رحمت نے ہرن کی سی قلانچ بھری اور گائے کھول یہ جاوہ جا....

صبح دم جو عورتیں برتن لے کر آئیں 'خالی احاطہ دیکھ کر سینہ کوبی کرنے لگیں۔

"چلی گئی.... گئی شیاما.... کتنی بار کہا بابے سے 'رات کو تو پھاٹک بند کر' پر نہیں.... چلی گئی نا.... بابے تیرا بیڑا ترے۔"

"وہ گوالے رحمت کے گھر ہے 'جاؤ۔ اب تم وہاں سے جا کر دودھ دوہ لو۔"

"ہائے مرجانا کم عقل بابا!" انہوں نے اور زور و شور سے سینہ کوبی کی یعنی اب وہ گوالا تو ضرور انہیں دودھ دوہنے دے گا۔ ہائے بابے محکم الدین تیرا ککھ نہ رہے۔"

عورتوں نے واہی تباہی بکتے اپنے مردوں کو جالیا' گاؤں بھر میں شور اٹھا سب رحمت کے گھر کی طرف لپکے.... اس نے صاف انکار کر دیا۔

"گائے اب میری ہے.... یہ بابے دین کی تھی اس نے اپنی خوشی سے مجھے دی بس اب یہ میری ہوئی۔"

"تو اسے رکھ اس کا دودھ ہمارا ہے۔"

"ایک بوند بھی تمہاری نہیں اب...." وہ اکڑ گیا۔

"تو اس گائے کا باپ ہے؟"

"ہاں اب تو ہوں...." اس نے کان کی بالی کو چھوا۔

"یہ بابے دین کا خدائی انعام ہے...." چوہدری جی نے اسے شرم دلانا چاہی۔

"بابے دین نے یہ خدائی تحفہ مجھے سونپ دیا ہے.... بس مرضی اللہ والوں کی...."

"سونے کے بھاؤ بیچے گا اس کا دودھ یہ۔" گاؤں کی دائی اس کی گردن دبوچنے کو تھی۔ اس کی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ اللہ کی پناہ....

"اب جو کروں گا 'دیکھ لینا...." رحمتے نے سب کو چڑایا۔

"کہاں ہیں سارے شیر جوان جنہوں نے شیاما کا دودھ پیا ہے 'مار مار کر اس کا بھرکس نکال دو.... یہ کون ہوتا ہے گائے کا مالک بننے والا۔" دایہ نے دھاڑ کر کہا۔

گائے کا دودھ پیا تھا' دھاڑ سکتی تھی۔

معاملہ بگڑ رہا تھا.... سارے گاؤں والے ایک طرف ہو گئے تھے.... لڑ مرنے کو تیار تھے....

"شام کو پنچایت میں فیصلہ ہو گا۔" اعلان کیا گیا۔

شام کو پنچایت بٹھا دی گئی۔ بابے دین کے پاس بھی گئے۔ اس نے بڑے پیار سے کہا کہ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ گائے سے دستبردار ہے۔

پنچایت لگی۔ سارا گاؤں اکٹھا ہوا.... ایسی پنچایت شاید ہی کبھی لگی ہو.... رحمت کسی کی بھی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا.... شام ڈھلنے لگی.... مدھم مدھم ستارے نظر آنے لگے.... رحمت کی ایک ہی رٹ تھی کہ گائے اس کی ہے بس.... بابے دین کے گھر آئی تھی تو بابے دین کی تھی.... اب اس کے پاس ہے تو اس کی ہے۔ بڑی تیر میر ہونے لگی.... گبھرو جوان لڑکے بھڑک بھڑک جاتے.... انہیں ان کی ماؤں نے سمجھا کر بھیجا تھا۔

"نہ مانے تو سر کھول کر رکھ دینا رحمتے کا.... آیا وڈا شیاما تے قبضہ کرن والا...."

رحمتے نے بھی اپنے شلوکے میں پستول چھپا رکھی تھی' وہ تو سینے کھول کر رکھ دے گا سب کے.... کان میں زنانہ بالی نہیں پہنی تھی اس نے....

ابھی گرما گرمی جاری تھی اور جاری ہی رہنے والی تھی کہ رحمتے کا بڑا لڑکا اس کے قریب کھسکا.... یہ لڑکا پنچائیت کی کارروائی بھاگ بھاگ کر گھر جا جا بتا رہا تھا اور گھر سے گاؤں بھر سے "کھتی رن" کا خطاب پانے والی اپنی دادی کے پیغامات اپنے باپ کے کان میں انڈیل رہا تھا۔

"شیاما نے زہریلی کھمبیاں چارے میں کھالی

ہیں۔"

پھوں پھاں کرتا رحمت چت سا ہو گیا... اس نے خون آلود دیدوں سے اپنے بیٹے کو گھورا اور خود کو اس کی گردن دبوچنے سے روکا۔

"بشیرے کی ماں کو مرگی کا دورہ پڑا ہے۔" رحمت کہہ کر گھر کو بھاگا۔ گاؤں والے حیران رہ گئے۔ یہ کون سی مرگی تھی جس کا دورہ ساری عمر چھوڑ کر اس عمر میں اچانک پڑا تھا۔

"کہاں سے کھالیں اس نے کھمبیاں؟" رحمت گھر جاکر دھاڑا۔ گھر میں پہلے ہی صف ماتم بچھی تھی۔

"پتا نہیں۔ اس کے چارے میں کہاں سے آگئیں..."

رحمت اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ لو اب شیاما سے سارا گاؤں ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اسے کھونٹے سے کھولا اور پنچائیت میں لے جاکر کھڑا کر دیا۔

"لو سنبھالو اسے... میرے لیے تو یہ منحوس ہے۔ میری بیوی کو مرگی کا دورہ پڑا' ماں کا ہاتھ جلا... اناج کے گودام میں آگ بھڑکی۔" رحمت نے جھوٹ بولا اسے کوئی ضرورت نہیں تھی بلدیہ کو مری ہوئے گائے کو اٹھانے کے لیے تین ہزار دینے کی... پنچائیت جانے یا بابا دین...

رحمت کے گھر جانے کے بعد پنچائیت نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رحمت سے گائے لے کر گائے کو میاں محمد بخش کے رکھا جائے گا جن کی بی بی بچوں کو سپارے پڑھایا کرتیں... کہ بابے دین کو واپس کی تو وہ اپنی کم عقلی سے پھر کسی کو گائے دے دے گا۔

تو گائے محمد بخش لے گیا... لیکن کیونکہ گاؤں تھا اور گھر سے گھر ملے ہوئے تھے تو یہ ذرا سی دیر میں ہی ایک بچے کی ماں بی بی کو بتا گئی کہ گائے زہریلی کھمبیاں اور کینر کے پھل کھا گئی ہے۔ بس مرنے ہی والی ہو گی... بی بی کے ہاتھ پیر پھولے اور دونوں میاں بیوی نے سوچ سمجھ بول گائے تیلی کے حوالے کی۔

تیلی بھی گاؤں میں ہی رہتا تھا۔ اسے بھی خبر ہو گئی۔

اس نے جھٹ بابے دین کے گھر لے جاکر گائے باندھ دی کہ بابا جانے اور گائے اور بلدیہ۔

جن جن کو خبر تھی۔ وہ وہ صبح دم گائے کے مرنے کی خبر کے منتظر تھے لیکن ایسی کوئی خبر نہ آئی... رحمتے کی اماں اپنا برتن لے کر بہانہ بنا کر آئی اور کیا دیکھتی ہے کہ احاطے کی دیوار کی دراڑ میں اگے پودوں پر جھاگ پڑی ہے... گائے کچھ ڈھیلی اور سست ضرور ہو گئی تھی لیکن مری نہیں تھی۔

رحمتے کی ماں نے جیسے دو ہتھڑ اپنے سینے پر مارے۔ اس نے یوں گائے کو چلتا کیا تھا کہ اگر ایسے مر گئی تو گاؤں والے کہیں گے' ہم نے مار ڈالا... جان کو آجائیں گے پھر...

دن چڑھتے چڑھتے اندر کی بات سارا عالم جان گیا... دو دن انہوں نے گائے کے دودھ سے پرہیز کیا' جن پودوں پر شیاما کے منہ سے نکلی جھاگ گری تھی' وہ ہرے بھرے ہو گئے۔ ان پر گلابی پھول نکل آئے... گاؤں والوں نے سوچا کہ یہ تو کراماتی گائے ہے... زہر کھا کر تریاق اگلتی ہے... یہ تو معجزاتی گائے ہے... وہ اور عقیدت و احترام سے اسے رکھنے لگے... اس کا دودھ استعمال کرنے لگے۔ آگے پیچھے کے سال اس نے بچھڑے دیے لیکن وہ مر گئے۔

گاؤں والوں کو بڑی آس تھی کہ شیاما کے بچھڑے بچ جایا کریں... عورتیں ایسے اپنے اپنے گھروں میں دعائیں کیا کرتیں جیسے وہ دادی یا نانی بننے والی ہوں اور اب کے وہ دادی نانی نہ بنی تو مر ہی جائیں گی... ہاں بس مر ہی جائیں گی...

اس کے دودھ میں شفا اور برکت بڑھتی ہی جا رہی تھی' بخار میں پیا' سر درد میں پیا' پیٹ درد میں پیا... بس جانو کہ کسی بھی بیماری کا سوچ کر پی لیا کہ "لو میں شیاما گائے کا دودھ پیتی' پیتا ہوں... مجھے فلاں بیماری' تکلیف ہے۔" اور لو جی بندہ بھلا چنگا۔

چار سال سے گائے گاؤں والوں کو بھلا چنگا کر رہی تھی... گائے کی آمد کے ڈیڑھ سال بعد بابا محکم الدین چل بسا تھا... خیر یہ ایسی فکر کی بات نہیں تھی

صدری تو زندہ تھا نا۔۔۔ اب گائے کا مالک وہی تو تھا۔۔۔ باپ کی طرح اسے بھی کوئی اعتراض نہ تھا کہ کون کب کب آتا ہے اور کیسے اور کتنا سونا سونا دودھ لے جاتا ہے۔۔۔ کام چل سو چل تھا۔۔۔ محکم الدین کے مرنے پر وہ رویا نہ چلایا' بابا اسے پہلے ہی سمجھا گیا تھا کہ جو برحق ہے اس پر واویلا نہیں کرتے۔۔۔

برحق جاننے والے کے حق ہو بیٹے نے ذرا واویلا نہ کیا۔۔۔ وہ سو کر اٹھتا تو چنگیر میں روٹی' سالن' اچار' لسی کا گلاس رکھے ہوتے۔ وہ کھا کر غلیل لے کر نکل جاتا' گھر آتا تو روٹی سالن' کھیر' مکھن' دہی پڑا ہوتا وہ کھالیتا۔۔۔ گندے کپڑے اتار کر کہیں بھی رکھ دیتا۔ اگلے دن وہ دھلے ہوئے تہہ کیے ملتے' کمرے میں احاطے میں جھاڑو دی ہوتی۔۔۔ تربوز' خربوزے' آم' مالٹے چنگیروں کے ساتھ ہی آتے' وہ سب کھالیتا' اس کھالینے میں ذائقہ یا خواہش کا عمل دخل نہیں تھا۔۔۔ آم' مالٹے' کھیر' آلو گوشت کھا کر وہ بھول بھی جاتا کہ ان کا ذائقہ کیسا تھا۔۔۔ شام کو یا رات کو گھر آتا تو آسمان تلے پڑ کر سو جاتا' باہر پھاٹک کھلا ہی رہتا اس نے کبھی بند کیا نہ اسے کبھی وہ بند ملا۔

ایک دن وہ بس میں بیٹھ کر شہر چلا گیا اور سارا دن بھوکا رہا۔ اسے تو روک کر کھلا دیا جاتا تھا نا تو شہر میں اسے کون روک کر کھلاتا۔ وہ شیاما کا دودھ تھوڑی پیتے تھے۔۔۔

گھر آیا تو چنگیریں پڑی تھیں۔

ایسے ہی چند سال بیت گئے۔

شیاما پہلے دن کی دلہن کی طرح اب بھی ہر ایک کو دل عزیز تھی' آج بھی عورتیں اس کی نظریں اتارا کرتیں اور اس کے منہ میں کھلی انڈیلے جانے پر لڑکیاں آہیں بھرتیں' سردیوں میں شیاما کی آمد کے قصے چھیڑے جاتے اور دہرایا جاتا کہ اس کے دودھ سے کیسی کیسی کرامات جڑی ہیں۔۔۔ کون کون صحت یاب ہوا اور کیسے کیسے رنگ و روپ نکھر نکھر گئے۔ کئی بوڑھوں کو دوبارہ جوانی نصیب ہو گئی۔۔۔ ہاں لیکن شیاما سے متعلق بات کرتے وہ اس بات کا دھیان رکھتے تھے کہ کسی اجنبی کے سامنے یہ سب باتیں نہ کی جائیں۔۔۔ اجنبی اپنی کالی نظر نہ لگا دے۔۔۔ اور نہیں تو چرا ہی لے جائے۔۔۔ ورنہ دودھ ہی مانگ بیٹھے۔۔۔

ایک شام صدری گھر آیا تو مانو سارے گاؤں والے احاطے میں کھڑے بین کر رہے تھے۔ ایک ڈاکٹر گائے کا جائزہ لے رہا تھا۔

جیسے وہ آئی تھی ویسے ہی وہ چلی گئی۔۔۔ وہ مر چکی تھی۔

عورتیں باقاعدہ بین کر رہی تھیں۔۔۔ شیاما مر چکی تھی۔

اس رات صدری کو بھوکا سونا پڑا۔۔۔ سب گائے کے غم میں مبتلا سوگ منا رہے تھے اور اسی رات اس گھر کا پھاٹک بند ہوا۔ کسی نے پھاٹک کو غصے سے بھیڑ دیا تھا کہ اب یہاں کیا رکھا ہے' جس کے لیے دن رات آیا جائے۔

ان کا نفع تو جا چکا تھا۔۔۔ اب وہاں کون تھا۔

☆ ☆ ☆

صدری کے گھر کا آنگن دھول سے اٹ گیا اور وہ میلے کپڑے ہی بدل بدل کر پہنتا رہا۔۔۔ بابے دین کی شلوار' شلوکا اور پگڑی۔۔۔ چند ایک ہی تھے اور وہ چند ایک میل سے اٹ چکے تھے۔ ان میں سے بدبو آنے لگی تھی چند ایک دن چنگیریں آتی رہی تھیں پھر ان میں ناغے آنے لگے اور سب سے بڑا ناغہ دو دن کا آیا۔۔۔ اسے مانگنے کی عادت نہیں تھی۔۔۔ مطلب اسے معلوم نہیں تھا کہ مانگنا بھی کوئی چیز ہوتا ہے۔

گاؤں والیوں میں تیر میر شروع ہو چکی تھی کہ

"تو دے میں نے تو دو دن پہلے بھی دی تھی میں کیوں دوں۔ میں تو آدھ سیر دودھ لیا کرتی تھی تو ہی بالٹی بھر بھر لے جایا کرتی تھی۔۔۔"

"میری بالٹی پر تیری سدا کی نظر تھی تو بھی بھر لیا کرتی بالٹی پر تو کرتی کیا' گود ہری ہوتی' کوئی منا منی ہوتی تو بالٹی بھرتی نا۔۔۔ ہونہہ۔"

اب گاؤں بھر میں یہ قصہ شروع ہو چکا تھا کہ "میں تو

یہ دو بوند دودھ ہی لے کر جایا کرتا تھا۔ سارا دودھ تو تم لیا کرتے تھے... گائے سے اصل فائدہ تو تم نے لیا... جس نے فائدہ لیا وہ سنبھالے اس مستانے صدری کو... ہم کیا جانیں۔

صدری جب بھوک سے مرنے کے قریب ہو گیا اور پانی پی پی کر تھک گیا تو ہمسائی خالہ کے گھر گیا۔ اس نے ماتھے پر بل ڈال کر بچے کھچے روٹی کے ٹکڑے پکڑا دیے... صدری نے کھا لیے۔ اسے قطعاً "فرق نہیں پڑا تھا کہ روٹی کے ٹکڑے سوکھے تھے اور نگلے نہیں جاتے تھے... یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ صدری مست لوگ سا تھا پاگل دیوانہ نہ تھا... بس وہ دنیا میں رہ کر دنیا دار نہ تھا... اور ایسا کوئی باقاعدہ ولی صوفی بھی نہ تھا۔

اگلی دو روٹیاں بھی ماتھے پر بل ڈال کر دی گئیں اور پھر جب وہ چوتھی بار گیا تو خالہ حمیداں نے کہا۔

"مائی تنور والی کے پاس جا' اسے کہہ 'وہ تجھے کام پر رکھ لے۔ روز کے تین روپے دے گی اور روٹی بھی۔"

وہ بات تو نہ سمجھا لیکن انداز پر چپ سا ہو گیا اور گیلی مٹی کی طرح ڈھیر سا چلنے لگا۔ چنگیر کو اس نے خالہ حمیداں کی دہلیز پر ہی چھوڑا اور کتے کو لے کر گاؤں سے دور چلا گیا... دو دن کسی نے اسے گاؤں میں نہ دیکھا جب وہ واپس آیا تو مکمل طور پر چپ تھا جیسے دو دن کا چلہ کاٹ کر آیا ہو... اب وہ کلام فرید بھی نہ پڑھتا۔ چھپڑ کے پانی میں پیر ڈبو کر بھی نہ بیٹھتا نہ غلیل سے چڑیوں کو پھر پھرا اڑاتا... وہ انسانی نظروں کی پہنچ سے دور کسی درخت تلے چپ چاپ بیٹھا آسمان تکا کرتا... وہ ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی استاد کے دیے سبق پر عمل پیرا ہو...

اس نے گھر کا پھاٹک پھر سے کھول دیا تھا جیسے سرائے کے پھاٹک وا رہتے ہیں... آتے جاؤ... جاتے جاؤ... یہاں قیام ممکن نہیں... یہ خیال بھی ممکن نہیں...

دن میں ایک بار گاؤں کے آخری کنارے لگے شہتوت کے درخت سے شہتوت توڑ کر کھا لیتا... اور گاؤں والوں میں سے چند ایک نے غور کیا کہ درخت پر روز اتنے ہی شہتوت ہوتے ہیں جتنے اس نے کھانے ہوتے ہیں... اس منظر سے ان میں تھوڑی بے چینی سی پھیلی... اس کے باپ کی دعاؤں سے کئی بے اولادوں کو اولاد ملی تھی' کئی مرتوں کو شفا نصیب ہوئی تھی... یہ اسی باپ کا بیٹا تھا پر بھوکا تھا... اور یہ کہ گائے مر چکی تھی اور اب صدری کسی کے کام کا نہیں تھا... نہ وہ دعا دیتا تھا نہ اس پر خدائی انعام "شیاما" کی صورت نازل ہو رہا تھا... تو وہ ان کے کام کا کیسے ہوتا... وہ ان کے لیے تش (خشک بھوسہ) بھی نہ رہا جسے پھونک مار کر اڑا دیا جاتا۔ گائے کا مالک ہونے کی وجہ سے کبھی وہ تل کی ترازو (جس پر راجے مہاراجے تلتے ہیں) رہا تھا اب تو وہ جوتے کے تلے سے گیا گزرا تھا۔

ڈھور ڈنگروں میں بیماریاں پھوٹیں اور ایک ایک کر کے گھر کے گھر ان سے خالی ہونے لگے۔ قطرہ قطرہ دودھ بیچ دینے والوں کے گھروں میں پہلے فاقے شروع ہوئے... کھیت کھلیان والوں کی فصلوں پر بارشوں اور کیڑوں نے یلغار کی' کچھ کی ادویات کے بے جا استعمال سے فصلیں ہی زہریلی ہو گئیں... محکمہ خوراک نے اپنی نگرانی میں ایسی فصلوں کا اناج تلف کروایا۔

گاؤں میں باقاعدہ قحط نہ آیا اور قحط آ بھی گیا... اور انہیں یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ یہ سب ہوا کیونکر... فصلیں اچھی کیوں نہیں ہو رہیں... مویشی خرید خرید لا رہے ہیں تو وہ بیماری سے مرتے کیوں جا رہے ہیں... ساری جمع پونجی ان ہی کاموں میں نکل رہی ہے... آل اولاد بیمار رہنے لگی ہے... دوسری آفات الگ سے... بھوک ہے کہ مٹائے نہیں مٹ رہی... غربت ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے... یہ کیسی آفت آئی ہے... یہ کیسا کال پھوٹا ہے گاؤں میں...

گاؤں کے مرد شہروں کی طرف کام کاج کے لیے بھاگے لیکن جتنا وہ کما کر لاتے' اس سے دو وقت کی روٹی پوری نہ ہوتی... گاؤں سے جیسے برکت ہی اٹھ گئی... ڈھور ڈنگروں کی خریداری کے لیے لیے گئے قرض جان کو آنے لگے۔

ایک شام چوپال میں بیٹھے چند لوگوں کو صدری نظر آیا۔ اپنے کتے کے ساتھ وہ گاؤں کے پچھواڑے جا رہا تھا۔ لوگوں کو اس پر بڑا رشک آیا کہ دیکھو نہ فکر نہ فاقہ .... ایک سیانے کو ایسے ہی سوچ سی آئی۔

"یہ کھاتا پیتا کہاں سے ہے؟"

"ہاں .... یہ کھاتا کیا ہے کہاں تو ہم اتنا ہلکان ہو کر بھوکے مر رہے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔

ان چند کو اس پر حسد سا آیا اور انہوں نے صدری کی کھوج لگائی۔

"یہ بیر کھاتا ہے اور ایک وقت کھاتا ہے .... اس کا باپ ولی تھا۔ شاید اس میں کوئی کرامت ہو .... دیکھو کیسے ہٹا کٹا ہے .... کبھی بیمار بھی نہیں ہوتا ...."

جن چند لوگوں نے کھوج لگائی تھی۔ انہوں نے درخت سے سارے بیر توڑ کر کھا ڈالے اور درخت ایسے خالی سا ہو گیا جیسے صدیوں اس پر پھل نہیں لگا .... صدری پھر کبھی اس بیر کے درخت کے پاس نظر نہ آیا۔ لوگوں کو پھر کھوج لگی کہ وہ کیا کھا کر زندہ ہے۔

آخر .... کھوجا اور جانا کہ وہ درختوں کے پتے کھاتا اور پانی پیتا ہے ....

ان سب سے درختوں کے وہ پتے کھائے نہ گئے .... زعفران ملا دودھ پیتے رہے تھے' ایسے کیسے صرف پتے کھا لیتے۔

☼ ☼ ☼

جاڑا شروع ہوا تو گاؤں کی کمہارن کے گھر اس کی ماں کئی سالوں بعد آ پائی .... وہ تو گھر اور گاؤں بھر میں بچھا قحط دیکھ کر حق دق رہ گئی .... اسے خبر ملی کہ شاپا یا بھی کب کی مر گئی۔ اور بابا محکم الدین تو اس سے بھی پہلے کا ....

"اور اس کا بیٹا صدری ....؟"

"وہ بھی یہیں کہیں ہوتا ہے۔"

"اپنے باپ پر گیا ہے نا ....؟"

"نہیں .... باپ پر کہاں .... آوارہ گھومتا رہتا ہے۔"

"ہے تو محکم الدین کا خون ہی نا .... جس کے گھر وہ کراماتی گائے آئی تھی ...."

"ہوا پڑے ہمیں کیا ...."

اماں نے چار دن سوچ بچار کی .... عورتوں اور بچوں نے تو جیسے کئی زمانوں سے پیٹ بھر کر نہ کھایا تھا .... جو تھوڑا بہت ہوتا' وہ پہلے مردوں کو کھلایا جاتا کہ مزدوری کرنے جو جاتے تھے۔

کمہارن کی ماں نے ایک دن بیٹی اور اس کے بچوں کو بھوکا رکھا اور چنگیر کو اچھے سے سجا کر صدری کے کھلے پھاٹک کے گھر رکھ آئی۔

"میں کیوں کھلاؤں اس نکمے آوارہ کو روٹی؟"

"چپ رہ .... کچھ اثرات اس کے باپ نے ضرور اس میں چھوڑے ہوں گے۔"

چنگیر رکھ کر اماں رات کے پہلے پہر تک اس کا انتظار کرتی رہی پھر گھر آ کر دیوار کے اس طرف سے اس طرف نظر رکھی کہ کوئی کتا بلی روٹی نہ لے اڑے۔

صدری آیا .... اور کمرے میں جا کر دروازہ بھیڑ لیا۔ چنگیر طاق میں رکھی رہ گئی۔ اماں دیوار چھوڑ کر لپک کر کھلے پھاٹک سے اندر گئی اور طاق سے چنگیر اٹھا کر دروازہ دھڑ دھڑانے لگی۔

"سائیں صدری .... صدری سائیں! روٹی کھا لے۔"

صدری سائیں نے کوئی جواب نہ دیا .... کمہارن نے طنز سے ماں کو دیکھا لیکن اماں کافی دیر تک دروازہ بجاتی رہی .... بہت دیر بعد اندر سے آواز آئی۔

"کسی بھوکے کو کھلا دے مائی .... اللہ بھوکوں کا پیٹ بھرے۔"

اماں کی باچھیں کھل اٹھیں۔ گھر آ کر سب نے مل کر روٹی کھائی۔ اگلے دن صبح ہی صبح اس کا جیٹھ جو دور کے گاؤں رہتا تھا' اناج کی دو بوریاں اور گھی کے کنستر لے کر آ گیا تھا یہ وہی جیٹھ تھا جس کے پاس کمہار ادھار لینے گیا تھا تو اس نے اپنی ٹوٹی چپل آگے کر دی تھی کہ میرے پاس تو یہی ہے .... میں تو خود بھوکوں مر رہا ہوں۔"

اب کمہارن روز چنگیر میں روٹی رکھ آتی۔ اگلے دن چنگیر اٹھالاتی' روٹی جوں کی توں ہوتی' سارا گاؤں بھوکا مرتا ہو اور ایک گھر میں گھی کے کنستر رکھے ہوں تو یہ بات چھپتی ہے؟

منہ اندھیرے کئی پڑوسنوں نے کمہارن کو صدری کے گھر سے چنگیر اٹھالاتے دیکھا.... اس سے پوچھا تو وہ ٹال گئی۔

مل ملا کر سب نے سوچا کہ ضرور اس میں کوئی راز ہے اور وہ سب مل کر کمہارن کے گھر گئیں۔ جیسے تیسے انہوں نے کمہارن سے اگلوالیا.... اور پھر دن بھر بھوکا رہ کر صدری کے لیے اچھا سا سالن بنایا' دہی جمایا .... روٹی پکائی اور چنگیر بنا کر سب احاطے میں رکھ گئیں .... یہی کوئی پانچ سات گاؤں والیاں.... کیونکہ ان سب کا ماننا تھا کہ صدری بھی ولی کا رتبہ پا گیا ہے اور اس کی دعا سے اب سب کچھ بدل جانے والا ہے۔ ان کے بھوکے پیٹ بھر جائیں گے اور ان کے قرضے اتر جائیں گے.... اور ان کی فصلیں سونے کے بھاؤ بکیں گی.... بس سب ٹھیک ہو جائے گا۔

چنگیریں رات بھر صدری کے احاطے میں پڑی رہیں.... صبح ہوتے ہی وہ اپنی چنگیریں اٹھا کر لے گئیں .... انہیں بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا۔ پر ان کے حالات تو جوں کے توں رہے۔

''تو نے ہمیں پوری بات نہیں بتائی....'' وہ کمہارن پر چڑھ دوڑیں۔

''جب وہ کہے گا تاکہ اللہ بھوکوں کا پیٹ بھرے تب سب بدلے گا۔''

اس دوران گاؤں بھر میں اتنی چہ مگوئیاں ہو چکی تھیں کہ سب کو کمہارن کا قصہ معلوم ہو چکا تھا.... جس صدری کو آوارہ اور نکما کہا جاتا تھا' اب اس کا نام عقیدت سے لیا جاتا....

جس دوران صدری کو باعث عقیدت بنایا جا رہا تھا اسی دوران صدری گاؤں سے غائب ہو گیا.... گاؤں والوں کی جیسے جان ہی نکل گئی.... یہ کیا ہوا ان کی آس امید' ان کا نفع کہاں گیا۔

لڑکے صدری کی تلاش میں دوڑائے گئے..... عورتیں خود بھی نکلیں اسے ڈھونڈنے..... کئی سالوں سے جس کا اتا پتا نہیں ہوا کرتا تھا کہ کہاں ہے کس حال میں ہے..... سارے گاؤں کو ایک دم سے اس کا حال معلوم کرنے کا بخار چڑھا.... جیسے گاؤں میں شیاما شیاما ہوا کرتی تھی ویسے ہی صدری صدری ہونے لگی۔

''وہ کسی دوسری جگہ جا آباد ہوا ہے.... انہیں فیض یاب کرے گا۔'' کمہارن نے کہا۔

''کالے منہ والی۔'' کمہارن کی بات جس جس نے سنی' بڑبڑا کر رہ گئی۔

گاؤں والوں نے تڑپ تڑپ کر رات دن گزارے .... یہ کیا ہو گیا ان کے ساتھ' صدری کہاں چلا گیا.... ان کا نمک کھا چکا' نمک حرام کر گیا۔

☆ ☆ ☆

ایک شام گاؤں میں خبر پھیلی کہ صدری آچکا ہے اور اپنے گھر ہے۔

سب اس کے گھر کی طرف بھاگے' دھول مٹی سے اٹے احاطے میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کئی ایک نے دروازہ بجایا اسے آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

''اسے تنگ نہ کرو.... ورنہ وہ بددعا دے دے گا۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' وہ سب واپس چلے گئے' البتہ اپنے پیٹ کے نوالے صدری کے لیے احاطے میں چھوڑ گئے.... اگلا دن آیا۔ صدری کمرے سے باہر نہ آیا.... نہ ہی اس کا کتا..... عورتیں اپنی چنگیریں واپس اٹھالائیں..... شام تک انتظار کیا لیکن دروازہ نہ کھلا۔

رات ہونے لگی..... گاؤں والیوں نے دل لگا کر سالن بنایا' روٹی پکائی اسے سلیقے سے چنگیر میں سجایا اور لالٹین ہاتھ میں پکڑ کر صدری کے گھر کی طرف چلیں سب از راہ ہمدردی' از راہ رحم ایک دوسری کو اکٹھا کر رہی تھیں کہ آؤ مل کر خوش حالی لے کر آئیں صدری سے.... وہ ایک ولی کا بیٹا ہے' وہ ہمیں خالی ہاتھ نہیں

لوٹائے گا۔۔۔ ہماری جھولیاں بھر کر بھیجے گا۔

گلیوں سے، نکڑوں سے، گھروں سے چنگیریں اور لالٹینیں نکلتی آرہی تھیں۔ جیسے میلہ چراغاں میں اپنے اپنے چراغ رکھنے جارہے ہوں۔۔۔ سب کے سب پرامید صدری کے گھر کی طرف جارہے تھے، وہی گھر جہاں وہ منوں بان لے جایا کرتے تھے اور محکم الدین کو اجرت نہیں دیا کرتے تھے وہی گھر جہاں شیاما تھی اور جس کے دودھ کو انہوں نے سالوں پیا تھا۔۔۔ اور وہی گھر جہاں انہوں نے چنگیریں بھجوائی، چنگیریں رکھنی چھوڑ دی تھیں۔۔۔ آج چنگیریں اٹھائے عقیدت سے جارہے تھے۔۔۔ سب احاطے میں اکٹھے ہو گئے اور دروازہ دھڑدھڑانے لگے۔۔۔ عورتوں کے ساتھ ان کے مرد بھی تھے۔

"آج دروازہ کھلواؤ۔۔۔ صدری کو باہر لاؤ۔۔۔ ورنہ ہم بھوکے مرجائیں گے۔" ایک عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"وہ سائیں ملوک اپنی لو میں لگا ہو گا۔۔۔ اس کی لو تھوڑی دیر کو توڑو۔"

دروازہ زور و شور سے بجایا جانے لگا، ساتھ آوازیں دی جانے لگیں۔۔۔ لیکن دروازہ نہ کھلا۔۔۔ خیر دھکے مار کر دروازہ جھٹکے سے کھول لیا گیا کہ وہ تو خدا سے لو لگائے بیٹھا ہو گا، کہاں کانوں میں آواز جاتی ہوگی۔

ہاں وہ لو لگائے ہی بیٹھا تھا۔۔۔ زمین پر بچھی صف پر چت ساکت لیٹا تھا جیسے زندہ نہ ہو۔ اس کا کتا اس کے پیروں میں منہ دیے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔۔۔ دروازہ کھلنے اور ایک دم سے ہجوم کے آنے پر بھی اس کتے نے کوئی جنبش نہ کی۔۔۔ جیسے اسے بھی معلوم تھا کہ آگے کیا ہونا ہے۔

"صدری!" سب اس پر جھکے۔ اس نے آنکھ نہ کھولی۔۔۔ اس کا منہ سوجا ہوا تھا، اس کا تو پورا جسم سوجا ہوا تھا۔۔۔ اس کی انگلیوں کے ناخن نیلے پڑرہے تھے، اس کا جسم آگ کی حرارت دے رہا تھا۔۔۔ یہ اس کے جسم کا حال تھا لیکن اس کی بند آنکھوں کے مکھڑے پر ابدی اطمینان تھا۔۔۔ جو اس کے باپ کے مکھڑے پر رہا کرتا تھا نہ بے چینی نہ بے سکونی اور نہ ہی تکلیف۔۔۔ اس کے وجود کی بدلی ہوئی ہیئت سے الگ صدری ایسے تاثر کی نشاندہی کر رہا تھا جیسے وہ کسی من پسند ہنڈولے میں بیٹھا جھول رہا ہو۔۔۔ یا جن پرندوں کو وہ تکا کرتا تھا وہ سب اسے مل کر اٹھائے اپنے ساتھ پرواز پر لیے جا رہے ہوں۔۔۔

"اس نے کوئی زہریلی چیز کھالی ہے۔" کبھی کھیتوں کے مالک رہ چکے غفورے نے اس لعاب کو سونگھتے ہوئے کہا جو اس کے منہ سے نکلا تھا۔۔۔ "لیکن یہ زندہ ہے۔۔۔"

"ہاں۔ اس کی سانسیں چل رہی ہیں۔۔۔"

صدری کے منہ میں چند بوندیں پانی ٹپکایا گیا۔ اس دوران کتا ویسے ہی اس کی ٹانگوں سے لپٹا پڑا رہا۔۔۔

صدری نے آنکھیں کھولیں۔

"یہ مر رہا ہے۔۔۔ اس کا جسم پھول چکا ہے۔۔۔ ہاتھ پیر دیکھو، کیسے نیلے ہو گئے ہیں۔"

گاؤں والوں کو سانپ سا سونگھ گیا۔۔۔ اگر یہ ایسے مر گیا۔۔۔ ایسے ہی۔۔۔ اس کا سر اٹھا کر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ واپس صف پر بچھ گیا۔

"سب مل کر کہو کہ صدری بابا ہمیں دعا دو۔۔۔ ہماری مصیبتیں ختم ہو جائیں، کھیت ہرے بھرے ہو جائیں، بیماریاں ختم ہو جائیں۔۔۔ اس سے کہو کہ اللہ بھوکوں کے پیٹ بھرے۔۔۔"

سب مل کر یک زبان یہ مناجات کرنے لگے۔

"صدری بابا کہو اللہ بھوکوں کے پیٹ بھرے۔۔۔ صدری بابا۔۔۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے، ہمارے حال دیکھو۔۔۔ ہماری مصیبتیں دیکھو۔۔۔ رحم کرو۔۔۔ کہو اللہ ہم پر رحم کرے۔"

کمرے میں سارا گاؤں جمع تھا۔ باقی کا ہجوم احاطے میں اکٹھا تھا۔۔۔ یک زبان سب دہرا رہے تھے۔۔۔ صدری کے منہ میں دو بوندیں اور ٹپکائی گئیں۔۔۔ اس نے ایک بے غرض سی نظر ذرا سی بس ذرا سی آس پاس گھمائی جیسے اس تک آنے والے فرشتوں کو راستہ نہ دیا جارہا ہو۔۔۔ اور وہ انہیں تلاش کرتا ہو۔

چند عورتوں نے سسکیوں کے درمیان دبی دبی چیخیں ماریں کہ یہ مرگیا تو اگر یہ دعا دیے بنا مرگیا تو۔

صدری کے گھر میں کئی لالٹینوں اور چنگیروں کا ڈھیر لگا تھا... ڈھیر حضرت انسان کا بھی لگا تھا... مخلوق کے نام پر وہاں مٹی کے بت کھڑے تھے... وہ پیٹ والے تھے اور ان کے پیٹ کبھی نہ بھرنے والے تھے وہ مخلوق کے پہلے درجے پر بنائے گئے تھے' وہ خود کو اس درجے تک لے گئے تھے جہاں بدتر درجے کی مخلوق بھی نہیں ہوتی... وہ اپنے درجے میں ثانی تھے... اپنے اوصاف میں وہ باکمال تھے۔

"صدری بابا! خدا کا واسطہ ہے کہہ دے اللہ ہمارے پیٹ بھرے... صدری بابا۔" عورتیں زور و شور سے چلانے سی لگیں۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اس کے حلق میں گھس کر خود یہ کہہ ڈالیں... اور اس کی جان کو مٹھی میں کرلیں کہ پہلے کہہ پھر تیری جان نکلے گی..."

عرش و فرش پر موجود آنکھ والے اس تماشے کو دیکھتے ہوں گے... قومیں کیسے عذاب کی مستحق قرار پاتی ہیں... بستیاں کیسے زمین میں دھنسادی جاتی ہیں... اس تماشے کو دیکھ کر جانا جاسکتا تھا۔

ایک عورت نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر دونوں ہاتھ مار کر کہا۔ "صدری... بول۔ بولتا کیوں نہیں... بول!"

صدری نے جیسے آخری بار آنکھیں کھول کر ان سب کو دیکھا۔

"خ... خدا... بھوکوں... کے... پیٹ کبھی نہ بھرے۔"

اس سے بڑھ کر دعا کوئی نہ تھی... اس سے بڑھ کر بد دعا کوئی نہ تھی... کمرے کی چھت پر موجود بلیوں نے ایک دم سے رونا شروع کردیا... کہتے ہیں' جانور موت کی بو سونگھ لیتے ہیں... اور موت سے پہلے رونے لگتے ہیں... لیکن وہ پہلے نہیں بعد میں روئیں... وہ صدری کے لیے نہیں صدری کے گاؤں والوں کے لیے روئیں... کتا اٹھا اور گھر سے باہر... گاؤں سے باہر چلا گیا... عرش پر جیسے فرشتوں کو نئے احکامات لکھوائے گئے...

"اناج کے دریا بہادو... کھیت کھلیان ہرے بھرے رکھو... بیماری اور دکھ تکلیف سے کسی کا واسطہ نہ رہے... ان کے پیٹ بھرے رہیں اور انہیں اور بھوک لگتی رہے لیکن انہیں اور اور ملتا رہے... انہیں سب ملتا رہے... کسی بھی غرض کو لے کر انہیں میرے دربار نہ آنا پڑے... ان کے ہاتھوں کو حاجات کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی ان کی جھولیاں بھر ڈالو... اور پھر ان پر مہر لگادو... اللہ ان سے بے زار ہے۔"

اور پھر "گاؤں ہاساں" شاد اور آباد ہوگیا... اس کی خوش حالی نے دنیا والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا... انہیں یاد نہ رہا کہ انہیں کب ہاتھ اٹھا کر مانگنے کی حاجت پیش آئی تھی... آخری بار کب...

اور آخری بار کب کسی فقیر' ولی' صوفی کا اس گاؤں سے گزر ہوا تھا... شاید زمانے بیت گئے... وہ یہ جان نہ سکے کہ بزرگوں' ولیوں' صوفیوں' قطب' پرہیزگاروں' فقیروں میں یہ منادی کروادی گئی ہے... کہ وہ گاؤں ہاساں سے اپنا گزر نہ کریں اور اس سے منہ پھیر لیں... اور اسے اپنی پشت دکھادیں... کیونکہ وہ مہر ثبت ہیں اور اللہ ان سے بے زار ہے۔